حملہ ان حالات میں کہاں تک ممد ثابت ہوا، بہر حال ان تاریخی حقائق سے انکار نا ممکن ہے۔

اس کے بعد وہ دور بھی آیا کہ اکبر نے ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے دینِ الٰہی کا فتنہ کھڑا کیا اور یوں اسلام کے چشمۂ صافی کو ناپاک کرنے کی ناکام کوشش کی تا آنکہ مجدد الف ثانیؒ جیسے قدسی صفت انسان نے عہدِ جہانگیری میں جملہ غیر اسلامی رسومات کو ختم کر کے صحیح اور واضح اسلامی تصور نکھار کر سامنے رکھ دیا اور اورنگزیب وہ آخری تاجدار تھا جس نے اپنی ملی روایات کے تحفظ و بقا کے لئے تمام عمر جہاد کیا۔ اورنگزیب کی وفات کے بعد مغل اپنی شان و شوکت کھو بیٹھے۔ اِدھر مسلمان شرعی روایات کو اپنانے کی بجائے عیش و عشرت کے جیلوں میں پڑ گئے۔ تا آنکہ شاہ ولی اللہ نے ملتِ اسلامیہ کو نئی زندگی بخشی۔ شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہیدؒ کی زندگی اس کی کھلی دلیل ہے۔ اس سے قبل ٹیپو سلطانؒ اور اس کے والد حیدر علی کے کارنامے بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ مسلمانوں کے دورِ زوال کے بعد جونہی انگریزوں نے تخت و تاج سنبھالا اور انگریز نے اپنے ذاتی انتقام کی خاطر مسلمانوں کو تختۂ مشق بنانے کے لئے ہندو سے تعاون کیا۔ یہ وہ وقت تھا، جب سرسید سامنے آئے حالات کا پورا اندازہ لگایا اور مسلمانوں کو سیاسی و قومی زندگی میں سامنے آنے کی دعوت دی۔

سرسید ایسے راہنما تھے جنہوں نے انگریزی استعمار کے مقابلے کے لئے مسلمانوں کو جدید علوم سے آشنا کیا اور اپنے حقوق کے تحفظ کا آئینی راستہ دکھایا۔ سرسید ہی وہ ہستی تھی جس نے ہندو کی تنگ نظری اور مسلمان دشمنی کا جائزہ لیا، مسلمانوں کی ملی ہستی کی بقا کے لئے ان کی جداگانہ حیثیت کا احساس دلایا اور متحدہ قومیت کے پُر فریب دام کو چاک کیا اور یوں مسلمانوں کو اپنی مخصوص ملی حیثیت کا احساس دلایا۔

یہ وہ دور تھا جس نے اس ملک کی سیاسی زندگی کے نئے دور کی بنیاد رکھی۔ اس دور میں مسلمانوں نے جس حیثیت سے بھی اس ملک کی سیاسی زندگی میں حصہ لیا ان کا مقصد یہی تھا کہ انگریزی استعمار سے خلاصی اور بحیثیت قوم اس ملک میں با عزت مقام حاصل کیا جائے۔" گذشتہ پون صدی میں اس سلسلہ میں مسلمانانِ ہندو پاک نے جو جدوجہد کی، اگر اس کا غیر جانب داری سے تجزیہ کیا جائے تو صاف پتہ چل جائے گا کہ ان کے سامنے ایک ہی مقصد کارفرما رہا کہ انگریز کو رخصت کرنے کے بعد یہاں مسلمان بحیثیت قوم باعزت زندگی

گذار سکیں۔

۱۹۰۶ء کی اصلاحات، مسلم لیگ کا احیاء، تقسیم بنگال اور ہندی اردو کا جھگڑا اسی عہد کے واقعات ہیں۔ مسلمانوں کے متفنا و فکر رکھنے والے سب راہنما اسی محور کے گرد گھومتے رہے۔ ان لوگوں نے جنہوں نے روزِ اول ہی سے یہ سمجھ لیا کہ ہندو کے ساتھ کسی قسم کا تعاون ناممکن ہے۔ اور ان لوگوں نے جو یہ سمجھتے تھے کہ انگریزی استعمار کے خاتمہ کیلئے دونوں قوموں میں تعاون ناگزیر ہے۔ الغرض مقصد ایک ہی پیش نظر رکھا کہ برطانوی استبداد کو ختم کر کے مسلمانانِ ہند سیاسی زندگی میں اثر انداز ہوں، باعزت اور باوقار جگہ حاصل کریں۔ جن لوگوں نے سیاسی طور پر سمجھوتہ کی کوشش کی، ان میں ڈاکٹر انصاری، مولانا آزاد، حکیم اجمل خاں، محمد علی جناح صاحب، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، اور مولانا محمد علی جوہر کا نام قابلِ ذکر ہے۔ ان ہی لوگوں کی کوششوں سے ۱۹۱۶ء کا میثاق لکھنؤ معرضِ وجود میں آیا۔ مگر ہندو ذہنیت ہمیشہ آڑے آئی۔

اس کے بعد ایک دور وہ بھی آیا جب قائداعظم عدم تعاون کے سوال پر کانگریس سے علیحدہ ہو گئے۔ مگر اس کے بعد بھی وہ ہندو مسلم اتحاد سے مایوس نہیں ہوئے، اور دورِ خلافت میں مسلمان قوم نے بحیثیت مجموعی قربانی کی جو مثال قائم کی، اس سے کوئی مؤرخ انکار نہیں کر سکتا (اس کے متعلق آئندہ کسی اشاعت میں تفصیلی ذکر آئے گا۔ ان شاء اللہ) انگریزی استعمار کی چولیں صرف مسلمانوں کے ایثار نے ڈھیلی کیں۔ گاندھی جی نے یہ جنگ محض چوراچوری کے نام پر ختم کرادی۔ کیونکہ ہندو ابھی سیاسی زندگی میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

الغرض مسلمان اپنی ملی زندگی کے تحفظ کی بنا پر الگ وطن کے لئے برسرِ پیکار رہے۔ اور کانگریس میں رہ کر بھی اسے فراموش نہیں کیا تا آنکہ مہاسبھائی اور کانگریس کے دوغلے قسم کے لیڈروں نے شدھی اور سنگھٹن جیسی تحریکیں شروع کیں۔ ادھر راج پال جیسے مردود، شاتمِ رسول نے مسلمانوں کی غیرت کو للکارا، دنیا اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہے کہ مسلمان سب کچھ گوارا کر سکتا ہے مگر ناموسِ رسالت کے لئے ہلکی سی کمزوری بھی اس کے لئے ناقابلِ قبول ہے۔ بہرحال مسلمان راہنماؤں نے اسے آئینی طریقوں سے

سلجھانے کی کوشش کی اور اسے چند لوگوں کا ذاتی فعل قرار دیا۔ تاآنکہ نہرو رپورٹ پر محمد علی جناح، علی برادران اور مولانا حسرت موہانی کانگریس سے علیحدہ ہو گئے۔ ادھر مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم احرارِ اسلام، بھی وجود میں آگئی۔ تاہم ابھی اس امر کا امکان باقی تھا کہ شاید کوئی ایسی صورت نکل آئے جس سے دونوں قومیں مل کر ہندوستان میں باعزت زندگی گذار سکیں۔ باوجود اس کے کانگریس کی مہاسبھائیت واضح طور سامنے آچکی تھی۔ لیکن مسلمان تب بھی مایوس نہیں ہوئے۔ ۱۹۳۵ء کا ایکٹ اور فرقہ وارانہ فیصلے، اس پر کانگریس کا ردِ عمل حالات کا صحیح رُخ بتا رہا تھا۔ مگر مسلمان پر تنگ نظری اور عصبیت کا الزام لگانے والے یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسلمانوں نے ان حالات میں بھی مایوسی کا ثبوت دیا ہو۔ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے پہلے انتخابات پر مسلم لیگ نے کانگریس سے تعاون کیا کہ شاید حالات بہتر ہو جائیں۔ اس دور کے جو لوگ بقیدِ حیات ہیں، انہوں نے یہ تمام واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ سات صوبوں میں کانگریس کی اکثریت نے اس کا دماغ خراب کر دیا۔ نتیجۃً مسلمانوں کی غیرتِ ملی نے جوش مارا۔ مولانا ظفر علی خاںؒ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

دبی ہوئی تھیں برہمن کے دل میں جو باتیں
ہزار سال کے بعد آئی ہیں زبانوں پر!
وہ بجلیاں جنہیں تڑپا دیا تھا گاشی نے
گرائی جائیں گی کعبہ کے پاسبانوں پر
ہیں جن کے نرغے میں اسلام کے کچھار کے شیر
بٹھائے جائیں گے اب بنیئے ان مچانوں پر

بہرحال ہندو، ہندی اور ہندوستان کے عملی نمونے نے مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی علیحدہ راہ اختیار کریں۔ اس لئے ضروری ہو گیا کہ علیحدہ وطن کا مطالبہ کریں، ورنہ جہاں تک متحدہ قومیت کا تعلق ہے، مسلمانوں نے اسے کبھی قبول نہ کیا، تاہم کانگریس میں رہ کر کچھ رہنما پھر بھی سمجھوتے کے لئے کوشاں رہے۔ مگر مسلمانوں نے ہمیشہ اپنی انفرادی حیثیت کو قومی زندگی میں برقرار رکھا۔ البتہ یہ کوشش جاری رہی کہ شاید کوئی ایسی صورت

نکل آئے کہ دونوں اقوام باعزت اکٹھے زندگی گذار سکیں۔ مگر مہا سبھائی ذہنیت، فرقہ دارانہ تنگ نظری ہمیشہ آڑے آئی۔ الہ آباد کانفرنس ہو یا کلکتہ کنونشن، جہاں بھی ناکامی ہوئی، ہندو کی تنگ نظری کی وجہ سے۔ مونجی، مالوی اور لالہ جپت رائے جیسے مہاسبھائیوں نے ہمیشہ تنگ نظری کا ثبوت دیا۔ مسٹر محمد علی جناح نے ۱۶ رمئی کی اسکیم منظور کر کے ہندو کو سوچنے کا آخری موقع دیا مگر گاندھی جیسے راہنما اور جواہر لال جیسے روشن خیال لیڈر بھی جو ہندوستان میں مسلمانوں کو غلام رکھنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ آسام جیسے مسلم اکثریت والے صوبہ کو مسلم گروپ میں شامل کرنے پر سراپا آتش بن گئے۔ ان حالات میں جو لوگ ہندو کی روشن خیالی اور وسعت نظری کے نعرے لگاتے ہیں، وہ نہ جانے کونسی جنت الحمقاء میں بستے ہیں۔

دور کیوں جائیے، مسئلہ کشمیر کو لیجئے، ہندو سامراج انہیں حق خود ارادیت دینے کو تیار نہیں۔ پھر ہندو نے پاکستان کو دو ٹکڑے کرنے میں جس تعصب کا ثبوت دیا، وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے کہ ہندو کے اصل مقاصد کیا ہیں۔

اس لحاظ سے جہاں تک پاکستان کی تحریک کے پسِ منظر کا تعلق ہے، مسلمان اپنی تہذیب و تمدن، ثقافت و معاشرت اور طرزِ زندگی کے لحاظ سے ہمیشہ الگ رہا اور اس مسئلہ پر ہندو سے کسی قسم کی مصالحت ناممکن ہے۔ تاہم مسلمان نے ہر ممکن کوشش کی کہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ . . . اپنی تہذیب و تمدن، طرزِ زندگی، معاشرت کو الگ رکھ کر بھی ہندو سے کوئی سمجھوتہ ہو جائے۔ اس نے ہمیشہ دستِ تعاون بڑھایا، مگر ہندو کی تنگ نظری نے ہمیشہ اسے جھٹک دیا۔

جہاں تک نظریات کی کش مکش کا تعلق ہے تو وہ دونوں قوموں میں ہمیشہ سے جاری ہے اور جاری رہے گی۔ مسلمان رہنماؤں کا طریق کار الگ تھا۔ مگر ان کے مقاصد ہمیشہ مشترک رہے۔ ان حالات میں جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہندو سے مصالحت ممکن ہے، وہ اس برِ عظیم کی پوری ملی سیاسی تاریخ کا بغور مطالعہ کریں۔ جواہر لال نے ہمیشہ مسٹر جناح سے کہا کہ اصل مسئلہ اقتصادی ہے، اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر انہوں نے جواب میں واضح طور پر فرمایا کہ مسلمانوں کے سامنے اصل مسئلہ اپنی تہذیب،

معاشرت، مذہبی اقدار کے تحفظ اور اسلام کو بحیثیت نظامِ زندگی رائج کرنے کا ہے چنانچہ اس دور کی جنگ کا نقشہ مولانا ظفر علی خاں نے خوب کھینچا ہے - وہ جواہر لال کے فلسفہ کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں ؎

دیا یہ طعنہ جینا کو جواہر لال نہرو نے
کہ یاد جاہلیت تازہ کر دی ہند میں تو نے
مسلماں کو کیا گمراہ نام اللہ کا لے کر،
وطن دشمن بنایا اس کو نام اللہ کا لے کر
وہ ہے ادہام کی جڑ جسے تو اسلام کہتا ہے
تیرے ادہام کو ہندوستاں اسلام کہتا ہے

پھر جناح مرحوم کے فلسفہ کے عنوان سے یوں رقم طراز ہیں ؎

مسلماں پہلے دن سے ہیں بتوں کو توڑنے والے
بچھڑتا دیکھنے آتی ہے دنیا ان کے میلوں کو!

اس طرح جناح مرحوم نے واضح طور پر یہ اعلان کیا کہ مسلمان کی تہذیب، طرزِ زندگی کھانا پینا، غرض ہر چیز ہندو سے الگ ہے - حتیٰ کہ ہندو جس کی پوجا کرتا ہے مسلمان کی وہ خوراک ہے - اس لئے آخری چارہ یہی ہے کہ دونوں قومیں اپنے اپنے ملک کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر لیں در آنحالیکہ سمجھوتہ پیدا کرنے کی کوئی صورت پیدا نہیں ہوتی -

آج اندرا گاندھی اور ہندو ذہنیت کا سارا زور اس بات پر ہے کہ دو قومی نظریہ غلط تھا تاکہ تقسیم ہند کا وہ جواز ہی ختم ہو جائے جس کی بنا پر یہ تقسیم عمل میں آئی - چنانچہ سقوطِ ڈھاکہ اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے -

پس ضروری ہے کہ اربابِ علم و دانش اور سیاسی راہنما اس صورتِ حال پر بھی غور کریں - مگر نہ جانے ہم ان بنیادی نظریات کو زیرِ بحث لا کر کیوں ملک و ملت کی تباہی کا سامان کر رہے ہیں - یہ چار قومیتوں کا نعرہ اور لادینی نظام سب پاکستان کو تباہ کرنے کی سازش کا شاخسانہ ہے - اور وطنِ عزیز آج انہی کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہے -

اگر ہم نے اپنے نظریات کے تحفظ و بقا کے لئے اتحاد کا ثبوت نہ دیا تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہ کرے گی۔

مجھے افسوس ہے کہ ساری بحث سمٹ سمٹا کر سیاسی طور پر ایک دوسرے کو رگیدنے پہ خرچ کی جارہی ہے۔ جن لوگوں نے ہندو سے سمجھوتہ کر کے ہندو یونین کو باعزت مقام دینے کی کوشش کی ان کی بھی ملی مفاد عزیز تھا۔ مگر جن لوگوں نے ہندو کے عزائم کو واضح طور سے سمجھ کر تقسیم ہند کا نسخہ تجویز کیا، اس کی صداقت پر اب مہر لگ چکی ہے۔ اب تو ضرورت ہے کہ جملہ اختلافات کو مٹا کر وطن عزیز میں اسلامی نظام کو رائج کرنے پر اپنی توجہ مبذول کی جائے اور ان لوگوں کے عزائم کو بے نقاب کیا جائے جو ثقافتی، لسانی گروہی اور صوبائی عصبیتوں کی آڑ میں ہمیں ہمارے مقاصد سے دور لے جارہے ہیں۔ اس کے برعکس قیام پاکستان کے وقت جن لوگوں نے اس کی مخالفت کی، ان میں سے کوئی بھی اس ملک کے تحفظ و بقا سے غافل نہیں اور وہ اس کے لئے اپنی جانیں تک نثار کر دینے کو تیار ہیں۔

ضروری اطلاع

شروع رمضان المبارک سے لے کر آخر رمضان المبارک تک "ترجمان" کے سلسلہ کی اہم ڈاک کے لئے مندرجہ ذیل پتہ نوٹ فرمائیے:

اکرام اللہ ساجد کیلانی،

حضرت کیلیانوالہ۔ تحصیل وزیرآباد

ضلع گوجرانوالہ